خوش پوشاک شاعر

عزادار حسین ساجدؔ جلالپوری
محلّہ جعفرآباد، پوسٹ جلالپور، ضلع امبیڈکرنگر (یوپی)، موبائل: 9415581432

شاعروں کی پوشاک پر مضمون لکھنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ ہم نے مختلف عنوان پر شعرا کے متعلق انشائیے تحریر کئے۔ چونکہ انسان جب شکم سیر ہو جاتا ہے تو دل و دماغ بہت حرکت میں آجاتا ہے۔ جب محترم شعرا کو انواع و اقسام کے کھانوں کی سیر کرا چکے تو فوراً دل نے دھڑک کر آواز دی کہ جب آپ نے روٹی بوٹی کا بیان نہایت شاندار انداز میں کر دیا تو شیروانی، ٹوپی کا بھی ذکر ہو جائے لہٰذا ہم کھانے کے بعد اپنے محترم شعرا و قارئین کی بارگاہ میں پھر رگ ظرافت کی قسم کھا کر کہہ رہے ہیں کہ جو کچھ کہیں گے مذاق میں کہیں گے۔

چونکہ شاعروں کے آئے دن مشاعروں کے وعدے ہوتے ہیں ان وعدوں کو وفا کرنے کے لیے سفر کرنا پڑتا ہے۔ اب ننگے تو جائیں گے نہیں۔ اچھے لباس و پوشاک میں ہی جائیں گے۔ آخر خواتین و حضرات کو کیا منھ دکھائیں گے۔ (دیکھئے اگر کسی صاحب کو منھ دکھائی کی بات سے اپنی نئی نویلی نخریلی دلھن یا قدیم حویلی میں تبدیل ہو چکی دلھن کی ''منھ دکھائی'' کی رسم یاد آجائے تو اس کا ثواب ہمیں نذر کر دیں گے مہربانی ہوگی۔)

ماہرین پوشاک (فیشن ڈیزائنروں) کے بقول شاعروں کو لباس تبدیل کرنے کا وہ شوق ہے کہ مت پوچھئے۔ عورتیں اور شوخ و چنچل لڑکیاں تو مفت میں بدنام ہیں۔ ان کے مطابق بعض نو جوان شعرا ایک ایک مشاعرے میں چار، پانچ پوشاک اتنی پھرتی سے تبدیل کر لیتے ہیں کہ بچپن میں ''جیمنی اور اورنیٹل'' سرکس کی بے تحاشا یاد آجاتی ہے کہ کس طرح وہ لڑکیاں اور جوکرا لگ الگ پلاٹ اور کھیل میں حلیہ بدل بدل کر آتے تھے کہ ان کو شناخت کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔

اس معاملے میں بعض شعرا کا قول ہے کہ جب اچھے لباس میں مشاعرہ اٹینڈ کریں گے تو اس سے ہماری امیج بہتر ہوگی۔ مجمع اور منتظم مشاعرہ پر رعب و دبدبہ طاری ہوگا اور لفافے کا وزن بھاری ہوگا تو اس میں مسئلہ کیا ہے۔ اگر کچھ پیسہ دھوبی یا لانڈری میں چلا جائے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ آخر وہ بھی تو چار پیسے کے لیے دکان کھول کر بیٹھے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب شاعر اندر اور باہر سے خوش لباس ہوگا تو اس کو آس پاس ہی نہیں دنیا کے سارے منظر خوبصورت نظر آئیں گے۔ ورنہ با لباس ہوتے ہوئے بھی بے لباس نظر آئیں گے۔ جیسا کہ مظہر امام صاحب فرماتے ہیں:

بے آب آئینے تھے شجر بے لباس تھے
دنیا بہت اداس تھی جب ہم اداس تھے

اب آپ ہم سے یہ مت کہیے کہ آج کی ماڈرن لڑکیاں بھی تو با لباس ہوتے ہوئے بے لباس نظر آتی ہیں۔ بھئی اب یہ با لباس، بے لباس، کم لباس، بدلباس، خوش لباس اور ان کے آس پاس کی ساری ذمہ داری ان کے ''باس'' (Boss) کی ہے اور ہم کوئی کلکتہ کے مفتی صاحب نہیں ہیں کہ خواہ مخواہ محترمہ ثانیہ مرزا کی چھوٹی اسکرٹ کو بڑی کرنے کا فتویٰ یا مشورہ دے کر سستی شہرت اور فضیحت اپنے کھاتے میں جمع کر لیں۔

اب یہ شعرا مشاعروں میں کیا پہن کر جاتے ہیں یا قدیم زمانے میں کیا پہنتے تھے اس پر ہمیں بہت تبصرہ نہیں کرنا ہے ہم کوئی ''تاریخ پوشاک'' لکھنے نہیں بیٹھے ہیں۔ ظاہر سی بات ہے کہ لباس کی ایجاد سے پہلے قدیم زمانے میں عام انسان بے لباس گھومتے تھے تو شعرائے کرام بھی برہنہ گھومتے رہے ہوں گے۔ اس میں شرم کی کون سی بات ہے۔ بھئی آج کے اس جدید دور میں بھی جب کوئی شاعر پیدا ہوتا ہے (کیوں کہ شاعروں کے بقول شاعر پیدائشی ہوتا ہے) تو بے لباس ہی آتا ہے۔ بعد میں اس کو دایہ یا اسپتال کی نرسیں نہلا کر غسل مولود دے کر کپڑے یا پارچے میں لپیٹتی ہیں۔ ہمارے ایک محترم شاعر تو اس پانی کی بات کو سوچ کر ابھی تک شرم سے پانی پانی ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

ابھی تک شرم سے ہوں پانی پانی
بدست نرس، نہلایا گیا ہوں میں

ویسے دنیاوی اعتبار سے بھی کپڑے اور لباس کی اتنی اہمیت ہے عام

آدمی سے لے کر خاص آدمی تک جب کسی بزم، محفل، شادی بیاہ، تقریب میں شریک ہوتا ہے تو اچھا لباس زیب تن کر کے اور سینہ تان کر جاتا ہے اس معاملے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے اور نیچا دکھانے کی وہ میرا تھن دوڑ لگی ہے کہ مت پوچھئے۔ غریب، امیر، صغیر، کبیر، وزیر تک ملوث ہیں۔ بلکہ ہمارے وزیر اعظم تک باقاعدہ آئینہ کے سامنے سج دھج کر اور فیتے سے ناپ کر چھپن انچ کا سینہ پھلا کر کسی تقریب میں جاتے ہیں۔ تو پھر شعرائے کرام جو پہلے سے ہی پر مغز مانے گئے ہیں۔ یا بقول شاؔد عظیم آبادی ''بڑے زوروں سے منوائے گئے ہیں''۔ اگر وہ ان سے ہٹ کر کام نہ کریں تو خاص الخاص کیسے کہلائیں گے۔

بعض فیشن پرست شاعر تو یہاں تک دلیل دینے لگے ہیں کہ اگر ایک معمولی چائے والا آدمی لاکھوں کا سوٹ بوٹ پہن کر ''وزیر اعظم'' بن سکتا ہے تو کیا ایک غیر معمولی دماغی آدمی ہزاروں کا سوٹ بوٹ پہن کر ''شاعر اعظم'' نہیں بن سکتا۔

اب جب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ کسی بزم میں اچھے لباس میں جانا عام سے خاص، معمولی سے غیر معمولی، جاہل سے عالم تک پسند کرتے ہیں تو شعرا حضرات تو وی آئی پی (VIP) ہیں۔ عالم ہی نہیں خدا کے شاگرد ہیں۔ یہ کیوں نہ بن سنور کے جائیں کسی کو کیوں کھلے یا کسی حاسد کا خون کیوں کھولے۔

ایک بزرگ شاعر کے بقول بہترین لباس میں جانا شاعروں کے لئے ضروری ہی نہیں مجبوری بھی ہے۔ اگر عمدہ اور نفیس لباس زمانے کے حساب سے زیب تن نہ کریں تو ان کو لوگ حقیر اور معمولی جان کر قدر بھی نہیں کریں گے۔ جیسا میؔر صاحب کے ساتھ دلی سے لکھنؤ آمد پر ہوا تھا۔

اس کے لیے وہ دوسری صدی ہجری میں خلیفہ ہارون رشید کے عہد کے عظیم دانش ور حضرت بہلول دانا کا واقعہ بھی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ ایک بار وہ ایک تقریب میں پھٹے پرانے لباس میں گئے، لیکن کسی نے ان کی طرف توجہ نہیں کی۔ وہ فوراً واپس آئے اور بازار سے بہترین لباس خرید کر اس کو پہن کر دوبارہ دعوت میں گئے۔ اب ہر شخص ان کو خوش آمدید کہہ رہا تھا ان کا استقبال کر رہا تھا۔ اب وہ دستر خوان پر بیٹھے اور ایک ایک لقمہ اٹھا کر منھ کے بجائے آستین میں ڈال کر کہتے ہیں کھاؤ کھاؤ۔ جب یہ حرکت کسی نے دیکھی تو کہا بہلول صاحب یہ کیا کر رہے ہیں۔ اتنی قیمتی پوشاک کیوں خراب کر رہے ہیں۔ اس کو کیوں کھلا رہے ہیں۔ تو انہوں نے برجستہ کہا۔ دعوت اس عمدہ لباس کی ہے میری نہیں۔ اگر میری ہوتی تو جس وقت میں یہاں پہلی بار آیا تھا اسی وقت عزت کی جاتی۔

اردو ادب کے اتہاس میں ایسے ایسے خوش لباس و حساس شاعر گزرے ہیں کہ مکھیوں تک کی مجال نہیں کہ ان کے جسم مبارک پر اپنی نشست و برخاست کریں۔ ایسے خوبصورت حسین و جمیل اور اس پر مستزاد عمدہ شیروانی، ٹوپی، یا کرتا پائجامہ، بالکل نوابوں، رئیسوں کی شان سے جب یہ بازاروں، درباروں، شاہراہوں، مشاعروں کے لیے نکلتے تو ان کو حیرت و حسرت سے لوگ دیکھتے رہ جاتے۔ زلیخان وقت دانتوں تلے انگلیاں ہی نہیں دباتیں، انگلیاں قطع کر ڈالتیں۔ لکھنؤ کی شام انہی شعرائے کرام کے باعث مشہور ہوگئی۔ اگر آج کے نوجوان فلمی اداکاروں کا اسٹائل اپناتے ہیں تو فلمی ہیرو ان کا اسٹائل اپنا کر ان کو اپنا آئیڈیل مانتے ہیں۔

بہر حال شاعروں کے نزدیک لباس کی بہت قدر و منزلت ہے الگ الگ اسٹائل اور برانڈیڈ کپڑے اس لیے پہنتے ہیں کہ نقاد اس ''کپڑے'' میں ''کیڑے'' نکالیں، یعنی تبصرہ کریں۔ بعض شعرا تو اپنی رنگین مزاجی سے اتنا مشہور ہیں کہ ان کے اشعار سے زیادہ ان کے کپڑے چلتے ہیں۔ کوئی صاحب اس سے یہ نکتہ نہ نکالیں کہ شاعر ان محترم نے کوئی کپڑے کی مل یا فیکٹری کھول لی ہے بلکہ عوام میں ان کے اشعار سے زیادہ ان کے کپڑے مقبول ہیں۔ لہٰذا بعض سر پھرے نوجوان ان کے اسٹائل کی ایسی تقلید کرتے ہیں کہ جیسے فلمی شائقین اپنے پسندیدہ ہیرو کی۔

آپ کو جتنے بھی نعرے یا لوگو (Logo) مثلاً فیشن کا ہر انداز ہمارے پاس، فیشن کے دور میں گارنٹی کی تمنا نہ کریں، کام میں دم، دام میں کم، خوشی جوتن میں نہ سمائے وغیرہ کپڑا مارکیٹوں، بازاروں، دکانوں، دیواروں، اشتہاروں، اخباروں، حتیٰ کہ کپڑوں کے اندر کاغذ پر چھپے ماڈلوں کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ سب انہی شاعروں کی دین ہے۔ انہی کمپنیوں، فیکٹریوں کی طرف سے ان نعروں کو ایجاد کرنے کا بہترین مشاہرہ (پیسہ) ملتا ہے۔ اسے مشاعرہ بھی پڑھ سکتے ہیں کیوں کہ آگے چل کر ان نعروں اور اشعار سے خوش ہو کر کمپنی مالکان اپنے پرچار کے لیے شعرا کی فرمائش پر مشاعرے بھی منعقد کرواتے ہیں۔

صرف شاعروں کے لئے ہی نہیں حکومت کے لیے بھی پوشاک اتنا حساس موضوع ہے کہ ابھی چند سال پہلے ایک کم پڑھی لکھی خوبصورت اداکارہ کو حکومت ہند نے وزیر تعلیم بنا دیا۔ جب اس پر احتجاج ہوا کہ اس اہم عہدے کو ابھی تک بڑے بڑے شاعر و ادیب و ماہرین تعلیم جیسے مولانا ابوالکلام آزاؔد وغیرہ نہایت حساس لوگ زینت بخشتے تھے تو حکومت نے اس کا نوٹس لیا اور ان محترمہ کو یہ کہہ کر وزیر پوشاک کی ذمہ داری دے دی

گئی چونکہ وہ فیشن اور اداکاری میں ماہر ہیں۔ کب کہاں کون سا لباس جسم پر اختیار کرنا ہے کون سا لباس کہاں اتارنا ہے، کیا عوام میں لانچ کرنا ہے کوئی وزیر پوشاک سے زیادہ چالاک اور بے باک نہیں ہوسکتا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اب کھانے پینے، پہننے اوڑھنے کا اختیار بھی حکومت کے دائرۂ اقتدار میں آچکا ہے عوام کو اس پر خود سے سوچنے کا اختیار نہیں۔ موجودہ حکومت میں مختلف واقعات اس بات کی گواہی دے رہے ہیں۔

کچھ شاعروں کو ''ویل مینٹین'' رہنے کا اتنا بے جا شوق ہے کہ مشاعروں کی جنگ سے حاصل لفافہ (مال غنیمت) سے زیادہ ان کے زیب و زینت پر صرف ہو جاتا ہے۔ اس رقم کی بھرپائی وہ کہاں سے کرتے ہیں۔ کسی مہاجن سے سود پر قرض لے کر پورا کرتے ہیں یا کسی مال دار شاعر کا شاندار لباس ادھار لیتے ہیں۔ یا کسی اور ذرائع سے مدد حاصل کرتے ہیں۔ یہ ابھی تک ایک تحقیق طلب موضوع ہے لیکن ایک ''محقق پوشاک'' جن کی شاعروں کے گھر کے اندر ''رسوئی تک رسائی'' ہے ان کا قول ہے کہ یہ کرائے کے لباس لے کر مشاعرے میں شرکت کرتے ہیں اور واپس آکر لفافے سے کرایہ ادا کر دیتے ہیں۔ چونکہ یہ بات گوش در گوش منتقل ہوتی ہوئی ان کے ذاتی کانوں تک پہنچ چکی ہے، لیکن ان باتوں سے وہ خفا نہیں ہوتے بلکہ شائستہ انداز میں دفاع کرتے ہوئے دلیل پیش کرتے ہیں کہ جب آج کل کے ماڈرن دولہا دلہن کرائے کے قیمتی لباس اور زیورات سے خود کو آراستہ کرتے زندگی کے اہم راستے کو ہموار کر کے رات کو یادگار بناتے ہیں تو کیا ہم کرائے کے لباس سے چند مشاعرے کی رات نہیں منا سکتے اس میں قباحت اور قیامت کیا ہے۔

ویسے اس دور جدید میں زیادہ تر بزرگ شعرا کرتا پائجامہ میں ملبوس عہد دقیانوس کا منظر پیش کرتے ہیں۔ بعض اوپر سے صدری بھی ڈال لیتے ہیں۔ اس حلیے کے انسانوں کو دیکھ کر آپ کو کسی سے سوال کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلا جھجک اور بے تکلف انہیں صدر مشاعرہ مان لیجئے۔ کیوں کہ یہ لباس انہی کے نام مخصوص بلکہ ''پیٹنٹ'' ہے اور اسی کا انہیں ''پے منٹ'' ملتا ہے۔ بعض سادگی پسند سادے لباس میں نظر آتے ہیں، لیکن آپ ان کو سادہ لوح مت سمجھیں۔ ان کے لوح لباس پر ان کا پورا دیوان غیر مطبوعہ پوشیدہ ہے۔

سنا ہے کہ امیر شعرا خود نمائی کے لئے سفید لباس پہنتے ہیں اور غربا اپنی غربت و افلاس کو چھپانے کے لئے ایسا لباس چنتے ہیں۔ چونکہ نیت اور اندر کی باتوں سے اللہ ہی واقف ہے۔ ہم کیوں بلا وجہ غلط فہمی میں پڑیں، لیکن ایک بزرگ شاعر کا قول ہے کہ امیر شعرا یہ طریقہ اپنا کر سیاست میں داخلے کی راہ ہموار کرتے ہیں۔ ان کا ارادہ مستقبل میں لیڈر بننے کا ہوتا ہے اور چونکہ مشاعروں میں اکثر نیتاؤں کو مہمان خصوصی کے طور پر مدعو کیا جاتا ہے۔ اس لیے ان سے سیاسی تعلقات قائم کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔ بس چار چھ میٹر سفید کپڑا ہی تو لگے گا اس کو خریدنے میں مشکل کیا ہے۔

شاعروں کے مخصوص ٹیلر بھی ہوتے ہیں شہر کے نامی گرامی اور زیادہ پیسہ لینے والے۔ دونوں اپنے آپ میں خوش۔ ٹیلر اپنا نام اونچا کرنے کے لیے شہر کے نامی گرامی شاعروں کی تصویر اپنی دکان پر آویزاں کر دیتے ہیں۔ تاکہ اپنے پرچار کے لیے سینہ چوڑا کر کے کہہ سکیں کہ فلاں فلاں شاعر کو ہم ہی لباس پہناتے ہیں۔

عہد قدیم سے عہد جدید تک شاعروں کو ہمیشہ مناظر فطرت سے محبت رہی ہے۔ جھیلوں، چشموں، پہاڑوں، سبزہ زاروں سے عقیدت رہی ہے اور جس چیز سے انسان کو محبت زیادہ ہوتی ہے اس کی پیروی کرنے لگتا ہے اسی لیے ایک شاعر کا دعویٰ ہے کہ اگر پہاڑ غیر جاندار ہو کر برف پوش ہو سکتے ہیں تو کیا ہم جاندار اور سمجھ دار ہو کر سفید پوش نہیں ہو سکتے۔ بعض سبزہ دار و ہریالی سے محبت کی بنا کر سبز پوش ہو جاتے ہیں۔ (کوئی صاحب اس سے یہ نہ سمجھیں کہ شاعر محترم انسانوں کے بجائے جانوروں سے محبت کرتے ہیں یا ان میں حیوان کی صفت پائی جاتی ہے یا وہ شدھ شاکاہاری ہیں۔) بعض چٹک مٹک رنگ برنگ کپڑوں کے لیے ''گلہائے رنگ رنگ'' کو اپنا آئیڈل مانتے ہیں۔ بہر کیف جس کو اپنا نمونہ مانیں گے اسی کی تو تقلید کریں گے۔ جو جس کو اپنا رہبر تسلیم کرے گا اسی کے ساتھ محشور ہوگا۔

سنا ہے کہ قدیم زمانے کے شعرا عمامہ و دستار پہن کر حسینوں کی بزم میں حاضر رہتے تھے جیسا کہ بشیر بدر نے دلیل دی:

میں صاحب غزل تھا حسینوں کی بزم میں
سر پر گھنیرے بال تھے ماتھا کھلا نہ تھا

آج کے شاعروں نے دستار کیوں اتار دی۔ متروک الفاظ کی طرح دستار کو کیوں ترک کیا۔ ہوسکتا ہے ''ترک خلافت'' کے خاتمے کی وجہ سے ''ترک'' کیا ہو اس کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔ ہاں پروین شاکر کے ایک شعر میں تھوڑی سی رمق ملتی ہے وہ کہتی ہیں:

مشکل ہے کہ اب شہر میں نکلے کوئی گھر سے
دستار پہ بات آ گئی ہوتی ہوئی سر سے

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شعر کرفیو زدہ ماحول میں لکھا گیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی منچلے شاعر کی اوچھی یا الٹی سیدھی حرکت پر پگڑی اچھالی گئی

ہو۔منتظم مشاعرہ کی ایف آئی آر پر پولیس کو نہ صرف مشاعرہ میں چھاپہ مارنا پڑا بلکہ ان کی گرفتاری کے لیے ان کے سر اور دستار کی بھی قیمت لگا دی گئی۔اس سے یہ بھی ثابت ہے کہ اس شعر کا ''حالت مارشل لا'' میں ظہور ہوا۔

زمانہ جیسے جیسے آگے بڑھا یا شاعروں کی نسل آگے بڑھی تو انھوں نے زمانے کے حساب سے خود کو تبدیل کر لیا۔چونکہ صرف گرگٹ ہی نہیں زمین وزمان وآسمان بھی جب اپنا رنگ بدلتے ہیں تو شاعر اپنا فیشن کیوں نہ بدلیں۔اسی لیے نوجوان شعرا کرتا پائجامہ ترک کر کے پینٹ شرٹ اور جینس ٹی شرٹ پہن کر میدان میں آ گئے اور اس کے جواز میں اتنی خوبصورتی اور صفائی سے دلیل دی کہ ان کی صفائی کی دھمک اور بھنک حکومت کے کانوں تک پہنچ گئی اور ان کو ''سوچھ بھارت ابھیان'' کے ''برانڈ ایمبیسڈر'' کے طور پر انتخاب کر لیا گیا اس لیے اب ان کو نہ صرف وہاں سے امداد ملتی ہے بلکہ مشاعروں میں سرکاری داد بھی ملتی ہے۔ان کے ٹیلر بھی سرکاری ہیں ان کو کوٹ پینٹ،شرٹ،ٹی شرٹ،بیلٹ،ٹائی حتیٰ کہ وائی فائی اور ٹاٹا اسکائی کی مفت سہولت بھی وہیں سے ملتی ہے اس لیے پانچوں پوشاک کے ساتھ رائج الوقت سکّے اور نوٹ بھی نذرانے کے طور پر ملتے ہیں۔

چونکہ سب کو سوچنے اور غور وفکر کا حق حاصل ہے تو ہوسکتا ہے کہ آپ کے ذہن میں یہ خیال آ رہا ہو کہ پوشاک میں جوتا بھی شامل ہے اس کا ذکر نہیں کیا۔سوٹ کے ساتھ بوٹ بھی ہے۔تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم جان بوجھ کر اس کو چھوڑ رہے ہیں کیونکہ مضمون لکھ کر جوتا نہیں چلوانا ہے۔ حضرت اکبرالہٰ آبادی کے زمانے میں ایک بار حادثہ ہو چکا ہے جیسا کہ انھوں نے لکھا:

بوٹ ڈاسن نے بنایا میں نے اک مضمون لکھا
شہر میں مضموں نہ پھیلا اور جوتا چل گیا

اس لیے دوبارہ ''جوتا جنگ'' چھیڑ کر اس کا ثواب اپنے نامۂ اعمال میں رکھنا نہیں چاہتے۔ویسے بھی ہمارے گناہوں کا تھیلا بھر چکا ہے۔

جیسے خوراک اور پوشاک لفظ میں دوستی ہے ویسے ان کے زیر استعمال چیزوں میں بھی بہت محبت ہے اگر آپ چاہیں تو ان کا تھوڑا سا میچ کر سکتے ہیں۔مثلاً اگر شاعر کی خوراک میں شیرمال و بریانی ہے تو پوشاک میں کرتا اور شیروانی ہے۔وہاں روٹی اور بوٹی ہے تو یہاں پگڑی اور ٹوپی ہے۔اُدھر چکن تکیہ ہے تو ادھر چکن کرُتا ہے۔اُدھر مرغ حلال ہے تو ادھر اعزازی شال ہے۔کھانے میں چکن تندوری ہے تو تخیل میں محبوبہ کی زلف سندوری ہے۔خوراک میں چکن سوپ ہے تو پوشاک میں محبوبہ کا رنگ روپ ہے۔

◆◆◆

قلعۂ معلّٰی کی جھلکیاں

اس کتاب میں آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کے زمانے کے لال قلعے کے رسم ورواج وروز وشب کے معمولات اور مغل دور کے آداب کا ذکر بڑے دل پذیر انداز میں کیا گیا ہے۔

مصنف:عرش تیموری،مرتب:ڈاکٹر اسلم پرویز،صفحات:۷۲(چوتھا ایڈیشن) قیمت: ۲۵روپے

رسومِ دہلی

مولوی سیّد احمد دہلوی ''فرہنگ آصفیہ'' کے مرتب کی حیثیت سے آج تک یاد کیے جاتے ہیں۔انہی مولوی سیّد احمد دہلوی کی ایک اور اہم تصنیف ''رسومِ دہلی'' ہے جس میں لال قلعہ کی زندگی اور ۱۹ویں صدی کی دوسری دہائی تک دہلی میں رائج تمام رسوم کا تفصیلی بیان ہے ۔اس موضوع پر یہ واحد کتاب ہے۔

مرتب:ڈاکٹر خلیق انجم،صفحات:۲۰۸، قیمت:۴۰روپے(دوسرا ایڈیشن)

ناشر:اردو اکادمی،دہلی